تیونس کی کہانی

ابتداء سے ۲۰۱۱ء کے انقلاب تک

از ڈاکٹر رابغ اسجانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیونس کی کہانی

ابتداء سے ۲۰۱۱ء کے انقلاب تک

از ڈاکٹر رابغ اسجانی

تیونس میں آنے والے انقلاب کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ وہاں کے اقتدار پر فائز ظالم وسرکش حکمراں جو زمانہ سے ظلم وزیادتی کا عادی ہو چکا تھا اور فتنہ وفساد کو اپنا پیشہ بنا چکا تھا، اور اسلام دشمنی کی زندہ مثال تھا جس کا وہ فخریہ اعلان کرتا تھا اور اس میں اسے ذرہ برابر عار محسوس نہ ہوتی تھی سے خلاصی حاصل کی جائے، اس کا یہ ظالمانہ رویہ زمانہ سے قائم تھا کہ یکا یک حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے اس کی حکومت گردش میں آئی اور اسے چوہوں کی طرح بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔

اس مضمون میں تیونس کے ابتدائی حالات سے لیکر وہاں رونما ہونے والے انقلاب کا ذکر ہے ہے جس نے پورے ملک کے نقشہ کو بدل کررکھ دیا ہے اور پورے ملک کو تاریکی سے نکال کر روشنی عطا کی ہے، جس نے انقلاب کی چنگاری جلائی جو دیگر عرب ممالک کے لئے شعلہ جوالہ ثابت ہوئی۔

تاریخی حقائق:

تیونس کی تاریخ - تاریخ قرطاج سے جڑی ہوئی ہے، جو رومی حکومت کے زمانہ میں

افریقی پٹی کے نام سے مشہور تھا اور جب مسلمانوں نے قرطاج کو ساتویں صدی عیسوی میں فتح کرلیا اور شہر قیروان کی بنیاد ڈالی جو بعد میں تیونس کا ایک اہم شہر سمجھا جانے لگا اور اس میں نئی نئی عمارتیں بنوائیں اور نئے نئے پارک قائم کیئے تو وہ تیونس کے نام سے مشہور ہوگیا، تیونس قدیم زمانہ میں ترشیش کے نام سے جانا جاتا تھا، تیونس کا لفظ پر ہر قوم کی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہر رُخ کے ہیں۔

قرطاج کے زیر اثر پانچویں صدی قبل مسیح میں اس کے اطراف کے شہر بھی آتے تھے، اس نے صقلیہ کو بھی روم اور بعض افریقی شہروں سے معاہدہ کرکے اپنے حدود میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن یہ معاہدہ ہمیرا کی جنگ میں قرطاج کی شکست کی وجہ سے مکمل نہ ہوسکا مگر جلد ہی روم کے ساتھ اس کے حالات بدل گئے، اور قرطاج پوری طرح خصوصاً تیسری صدی قبل مسیح کے آغاز میں بحر متوسط پر قابض ہونے کے بعد روم پر ٹوٹ پڑا اور دونوں ہی ممالک مستقل تین جنگوں میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے ''جو بونی جنگوں کے نام سے مشہور ہیں''، رومی طاقتوں کے سامنے ۱۴۴-۱۴۲ قبل مسیح میں قرطاج پوری طرح پسپا ہوگیا اور اسکی کمر ٹوٹ گئی، اس نے جنگ سے واپسی پر اپنے پیچھے تمام تر کشتیاں ویسے ہی چھوڑ دیں اور قرطاج تینوں جنگوں میں پوری طرح تباہ کردیا گیا پھر دوبارہ اس کی عظمت وہیبت قائم نہ ہوسکی مگر جب یولیوس قیصر نے ۴۴؁ قبل مسیح میں اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لیا تو اسے کچھ ہوش آیا۔

افریقہ جو ان دنوں تیونس کے نام سے جانا جاتا تھا چھ صدیوں رومی تہذیب کا مرکز رہا کیونکہ وہ عالم قدیم کے راستوں کی شاہراہ تصور کیا جاتا تھا اسی طرح یہ ملک زمانہ تک عیسائیت و یہودیت کی بھی پناہگاہ کے طور پر جانا جاتا رہا، اور اتنا ہی نہیں ایک زمانہ میں وہ مغرب میں عیسائیت کا اہم روحانی مرکز بن گیا تھا یہاں تک کہ وہاں ۷۹-۶۹۸؁ء میں حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذریعہ وہاں اسلام پہونچا۔

اسلامی فتوحات

۵۳۲ء میں چستیان کی فوج کے غلبہ کے بعد تیونس پر ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں بازنطینی اثرات غالب ہوگئے اور پورا تیونس اس کے ماتحت ہوگیا، خلیفہ وقت حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں نے تیونس کو اپنے زیر اثر کرنے کی کوشش شروع کردی، سارے مسلمانوں نے مدینہ میں افریقہ کو فتح کرنے کی خاطر میٹنگ کی، حضرت عبداللہ بن سرح جو اس وقت مصر کے گورنر تھے انہیں حملہ کی ذمہ داری سپرد کی گئی، اور اس غزوہ کو غزوۃ العبادلہ (یعنی عبداللہ کی جنگ) کا نام دیا گیا، اسلامی عرب فوج بازنطینی فوج پر غالب آئی، اور اسی طرح چند جنگی دوروں اور حملوں کے بعد مسلمانوں نے حضرت سیدنا حسان بن نعمان کی قیادت میں افریقہ پر اپنی حکومت قائم کر لی، اور اسلامی فوج کو تیونس کے تمام شہروں میں داخل ہونے کا موقع ملا اور اسلامی فوج کے قائد اعظم حضرت سیدنا حسان بن نعمان نے موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میر بر قوم کو بھی اسلامی فوج میں شامل کرلیا تا کہ آئندہ ان کے لئے انہیں عرب قوم میں شامل کرنے میں کسی طرح کی کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

تیونس کی فتح کے بعد شہر قیروان کو دارالحکومت بنایا گیا اور وہاں سے مغرب اور اندلس کے بقیہ ممالک کا رخ کیا گیا، مگر قرطاج جو پہلے تاراج ہو چکا تھا اب تک اپنی طاقت وقوت کو بحال کرنے میں ناکام تھا اور اس شہر سے دوسرے مغربی ممالک کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا اس لئے اس کی جگہ تیونس کے قریبی بندرگاہ کو سمندر پار دیگر ممالک پر حملہ کرنے کا مرکز بنایا گیا۔

قیروان کو مرکزیت حاصل ہوتے ہی وہ علوم وفنون اور تعلیم کا مرکز بن گیا، وہاں بعض

عرب قبائل آ کرآباد ہونے لگے،اس شہر کی یہ ترقی اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ عثمانیوں کا قبضہ نہ ہوا تھا عثمانیوں کے قیروان پر قابض ہوتے ہی اسپین کی جانب سے حملوں کی زد میں آ گیا، ایک طرف عثمانی اقتدار پر قبضہ کولیکر باہم دست وگریباں تھے تو دوسری طرف اسپینی ان طاقتوں کی پشت پناہی کررہے تھے جو عثمانیوں کے لئے چیلنج بنے ہوئے تھے،ایسے شورش زدہ حالات میں عثمانیوں کا اسپینوں سے ٹکرانا لازم تھا،معاملہ ایسا ہی ہوا اس ٹکراؤ میں عثمانیوں نے بازی ماری اور اسپینوں کو اس ملک سے ۹۸۲ھ/ ۱۵۷۴ء میں بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔

تیونس کی موجودہ تاریخ

تیونس کی تاریخ کے تین ادوار وعہد اہم ہیں جس کا آغاز ۱۵۷۴ء سے'' جبکہ تیونس عثمانی حکومت کے ماتحت تھا'' لے کر ہوتا ہے اور ۱۸۸۲ء پر تمام ہوجاتا ہے جس میں پورا ملک فرانسیسی قبضہ میں آجاتا ہے،تاریخی زمانوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) عہد باشوات: یہ زمانہ ۱۵۷۴ء سے لیکر ۱۵۹۱ء پر مشتمل ہے،اس زمانہ میں ملک کا حکمراں عثمانی بادشاہ کے حکم سے متعین کیا جاتا تھا۔

(۱) عہد دایات: یہ زمانہ ۱۵۹۱ء سے لیکر ۱۶۳۰م پر مشتمل ہے اس زمانہ میں حکمراں کا انتخاب دیوان کی طرف سے ہوتا تھا، یہ وہ مجلس تھی جو تیونس کی انکشاری فوج کے افسروں پر مشتمل تھی۔اس زمانہ میں حکومت پر عثمان دامی اور یوسف دامی کا قبضہ رہا۔

(۲) عہد بایات: سترہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں پوری حکومت خاندانی وراثت میں تبدیل ہوگئی تھی، اس زمانہ میں حکومت دو خاندانوں کی رہی ایک مرادی خاندان ۱۷۰۲ء میں قابض رہا دوسرا حسینی خاندان جو ۱۷۰۵ء میں حکمراں رہا اور اس کے بعد بھی حکومت اسی خاندان کے سپرد رہی، یہاں تک ۲۵؍جولائی ۱۹۵۷ء کو تیونس کو جمہوری ملک قرار دیا گیا،اور

مذکورہ دونوں خاندانوں کے تسلط سے ملک کو مکمل آزادی حاصل ہوئی۔

تیونس پر فرانس کا قبضہ:

سامراجی طاقتیں اپنی عادت کے مطابق بہت سارے حیلے اختیار کرتی ہیں اور ان سے اپنے مقاصد کی تکمیل کر لیتی ہیں، ایسا ہی فرانس نے کیا کہ بعض تیونسی قبائل کو ساتھ لیکر الجزائر سے متصل تیونسی سرحد پر حملہ کر دیا اور تیونسی حکومت پر پہلے فوجی دباؤ ڈالنا شروع کیا پھر وہاں کے حکمراں الباي بیارو کے محل کا ۱۸۸۱ء میں محاصرہ کر لیا، اور اس سے ایسے معاہدہ پر بالجبر دستخط کرنے کے لئے آمادہ کیا جس سے فرانسیسی تسلط پورے ملک پر قائم ہونے میں کسی بھی طرح کی دشواری پیش نہ آتی ہے اور عملاً ایسا ہی ہوا اور تیونس کی مکمل آزادی بالکل ختم ہوئی اور اسے اپنی تمامتر بنیادی وسائل زندگی سے بھی محروم ہونا پڑا، ۱۸۸۲ م کے معاہدہ نے رہی سہی کسر بھی مکمل کر دی وہ اس طرح کہ ملک پورا انتظام وانصرام فرانس کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا۔

تیونس پر فرانسیسی مظالم کا ایک جائزہ:

فرانس نے پوری تیونسی قوم پر اپنی گندی سیاست نافذ کرنے کی شروعات کی وہ اس طرح کہ تیونسی عوام کی تمامتر آزادی آخری درجہ کی ظلم وبربریت کا مظاہرہ کر کے ان سے چھین لی اور انہیں پوری طرح فرانسیسی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی اور انہیں اس بات پر اکسایا گیا کہ تیونسی جنسیت تبدیل کر کے فرانسی جنسیت اختیار کر لی جائے ایسی صورت میں وہ فرانسیسی رعیت میں شامل ہو جائیں گے اور انہیں حکومت کی پوری مراعات بھی ملیں گی، دوسری طرف فرانسیسیوں اور اطالویوں کو بھی تیونس منتقل ہونے کی ترغیب دی گئی تا کہ بڑی آسانی سے تیونس کی اسلامی شناخت کو ختم کرنے کا موقع مل سکے۔

لیکن جلد ہی مسلمانوں نے اس کے خلاف قدم اٹھایا خصوصاً اسلامی شناخت کی تبدیلی

اور جنسیت (شہریت) کی تبدیلی کے خلاف سخت قرارداد مذمت پاس کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ ہر وہ شخص جو تیونسی جنسیت تبدیل کرے گا فرانسیسی جنسیت کے حق میں اسے اسلام سے خارج سمجھا جائے گا اور اسے مسلمانوں کی قبرستان میں بھی دفن نہیں کیا جائے گا، اس اعلان کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان جنسیت کی تبدیلی کے فیصلے سے دست بردار ہونے لگے، اور فرانسیسی حکومت کے تمام کئے کرائے پر پانی پھر گیا، فرانسیسی حکومت نے ردعمل کے طور پر انتقامی کاروائی شروع کی مگر اس میں بھی اسے کامیابی نہ ملی، پھر اشتراکیت پسند آئے اور انہوں نے پوری تیونسی قوم پر اپنے خیالات کو تھوپنے کی کوشش کی اور وہاں کے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا ہدف بنایا تاکہ انہیں اپنے تمامتر ناجائز مقاصد کی تکمیل کی خاطر استعمال کرسکیں، ان اشتراکیت پسند لوگوں میں شاذلی خیر اللہ، حبیب بورقیبۃ اور محمود ماطری کے نام شامل ہیں، فرانسی حکومت نے ان تمام نوجوانوں کو بھی ان کے مقاصد سے ہٹانے کی کوشش کی، انہیں قید و بند کیا، زدوکوب کیا، اور ذرائع ابلاغ خصوصاً صحافت کا استعمال کرکے انہیں بدنام کرنے کی مذموم کوشش کی تاکہ وہاں کے اصلی باشندے ان کاروائیوں سے ڈر کر وطن کی بازیابی کی سیاست سے کنارہ کش ہوجائیں تیونسی قوم کے درمیان انتشار پیدا کرنے اور اسے مختلف فتنوں کا شکار بنانے کی بھی سازش کی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا کہ ملک کی دولت کو مندرجہ ذیل طریقوں سے لوٹنے کی کوشش کی۔

(۱) انتظامی عہدوں پر فرانسیسی نژاد لوگوں کی بحالی کو لازم قرار دیا گیا، اور فرانسیسی لوگوں کو ان عہدوں کو تقریباً ۴۳ طرح کے مختلف معاوضوں اور سہولیات کے بدلے قبول کرنے کی ترغیب دلائی گئی تاکہ وہ لوگ تیونس میں مستقل سکونت اختیار کرلیں۔

(۲) فرانسیسی انتظامیہ نے اپنے فرزندوں کو تیونس کی وسیع قطعۂ آراضی معمولی قیمت پر اور طویل مدتی قسطوں پر حاصل کرنے کی سہولت دی نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کی تیس فیصدی اچھی منفعت بخش زمینوں پر فرانسیسیوں کا قبضہ ہوگیا۔

(۳) معاشی سرچشمہ بھی فرانسیسیوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا ساتھ ہی ساتھ ملک کی بڑی صنعتیں اور دوسری تجارتیں یہاں تک کہ درآمدات وبرآمدات بھی انہی کے ماتحت تھے۔

(۴) فرانسیسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا اور اسے ہی سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا اور عربی زبان کو صرف قرآن کریم تک محدود کردیا گیا۔

ان تمام نازیبا حرکتوں اور سازشوں کے باوجود تیونسی قوم ہاتھ پر ہاتھ دھری بیٹھی نہ رہی بلکہ ان کی طرف سے اس ناپسندیدہ سامراج کے خلاف انقلابی تحریکیں اٹھتی رہیں ان ہی میں ایک تحریک شیخ محمد سنوسی اور شیخ ملکی بن عزوز کی ہے۔

۱۹۰۵ء میں ''حاضرۃ'' نامی ایک جماعت کے ذریعہ سیاسی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور ۱۹۰۸ء میں اور زیادہ یہ کام منظم ہوا، اس کی ترقی کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ شیخ عبدالعزیز کی قیادت میں ایک قانونی پارٹی تیار ہوئی جو چند مطالبات کو لے کر کھڑی ہوئی اس پارٹی نے حکومت وقت کے سامنے کچھ ایسے مطالبات رکھے جن سے وہ حکومت جو تیونسی اور فرانسیسی افراد پر مشتمل ایک قانون ساز کونسل کے قیام کو غیر ضروری سمجھ رہی تھی برانگیختہ ہوگئی ان مطالبات میں تیونسیوں کو حکومتی عہدہ پر فائز کرکے خدمت کا موقع فراہم کرے، تیونسیوں کو قابل کاشت زمین دینے، صحافت کو آزادی دینے، افواہوں پر کان نہ لگانے، تعلیم کو لازمی قرار دینے جیسے امور شامل تھے، یہ مطالبات اس پارٹی نے اس وقت کے امریکی صدر ولسن کی خدمت میں پیرس میں پیش کیا اور ملک کی آزادی کا مطالبہ بھی کیا جو بالآخر حاصل ہوکر رہی۔

جمہوریت کا نفاذ

تیونسی قوم زمانہ تک فرانسیسی سامراج کے ظلم وبربریت کا شکار رہی اور اپنی زمینی پیداوار اور قیمتی زمینوں سے استفادہ سے بھی محروم رہی، فرانسیسی حکومت کے اس سفاکانہ رویہ کا

مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ بزورقوت پورے تیونسی سماج پر فرانسیسی تہذیب وتمدن کے اثرات غالب ہوجائیں تاکہ وہ قوم اپنی اصل شناخت کھودے اور عالمی نقشہ میں اپنی خاص پہچان باقی نہ رکھ سکے مگر مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا چند دہائیوں تک سامراجی ظالمانہ نظام کی مار جھیلنے کے بعد تیونس کی مراد برآئی اور ۱۹۵۷ء میں تیونس کی مجلس تاسیسی نے تیونس کو جمہوری ملک قرار دیا اور جمہوریت کے نفاذ کا اعلان کیا، شاہی نظام کا خاتمہ کیا گیا اور ملک کو اپنی مطلوبہ آزادی حاصل ہوئی، اس وقت کے قدآور سیاسی لیڈر حبیب بورقیبہ کی قیادت میں ایک نئی حکومت تشکیل دی گئی۔

بورقیبہ کا مختصر تعارف

بورقیبہ کی پوری زندگی انقلاب سے عبارت ہے وہ ملک کی آزادی کی خاطر سامراجی طاقتوں سے لوہا لیتے رہے اور اس راہ میں بہت ساری دشواریوں کو سہتے رہے۔ ۱۹۲۷ء میں کلیۃ الحقوق سے تعلیمی سلسلے کی تکمیل کے بعد انھوں نے ایک نئی قانونی پارٹی کی بنا ڈالی جس کی وجہ سے اسے انقلابی تحریک کی علامت سمجھا جانے لگا، جس کی پاداش میں اسے ۱۹۳۴ء میں متعدد بار قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑی اور ۱۹۴۵ء میں متعدد ممالک (جن میں مصر سرفہرست ہے) کی طرف جلاوطنی کی بھی سزادی گئی پھر ستمبر ۱۹۴۸ء میں دوبارہ تیونس لوٹ کر آئے، کچھ دنوں کے بعد فرانس کا سفر کیا اور وہاں جاکر فرانسی حکومت کے سامنے اصلاح پروجیکٹ پیش کیا مگر اسے مسترد کردیا گیا، بورقیبہ وطن واپس آئے اور اس بات کا اعلان کیا کہ فرانسیسی حکومت اب لائق اعتماد نہ رہی اس کے خلاف منصوبہ بند طریقے پر آواز اٹھانے کی ضرورت ہے، جس کی وجہ سے ان کو جیل کی سزادی گئی اور فرانس کی مختلف جیلوں میں ایک مجرم کی حیثیت سے رکھا گیا مگر جب تیونس کے لوگوں نے ہتھیار بند باغیانہ کاروائی فرانسیسی حکومت کے خلاف شروع کی تو ان کو رہا کردیا گیا ان کے حامیوں نے ان کا زبردست استقبال کیا، فرانس ایسے معاہدہ پر جس میں

تیونس کو داخلی آزادی دی جانے کی بات کہی گئی تھی راضی ہوا، اور ۱۹۵۶ء میں بورقیبہ نے پہلی نئی تیونسی حکومت تشکیل دی، اور محمد امین یامی کے معزول ہونے کے بعد ۱۹۵۷ء میں ان کو ملک کا صدر منتخب کیا گیا دوسری بار بھی انہیں کا انتخاب عمل میں آیا تا کہ پورا ملک ان کی قائدانہ صلاحیتوں سے فیضیاب ہو سکے۔

تیونس میں بورقیبہ کا سیاسی کردار

(۱) اسلام کے خاتمہ کی ایک مذموم کوشش

بورقیبہ نے جب حکومت کی زمام اپنے ہاتھ میں لی تو اسلام کے خاتمہ کی مذموم کوشش شروع کردی اور ہر مرحلہ کے تعلیمی نصاب میں دوررس تبدیلی کر کے پورے ملک کو سیکولرزم کا مرکز بنانے کی جانب پیش قدمی کی، تمام دینی اموراور وہ موضوعات جن سے براہ راست اسلامی نظام سیاست مثلاً حکومت وخلافت پر روشنی پڑتی ہے مشکوک اور بعید از قیاس سمجھے جانے لگے، اور ان طریقہ کار پر پوری توجہ صرف کی جانے لگی جن سے اسلامی نظام سیاست کشمکش وانتشار سے عبارت سمجھا جاتے تھے جسے حکومت سازی اور انتظام وانصرام سے کوئی تعلق نہ ہو، توریت اور انجیل کی تعلیم تمام مسلم طلبہ کے لئے لازمی قرار دی گئی، تمام مذہبوں کے تئیں وسعت نظری کے رجحان کا سہارا لے کر۔

دوسری طرف یونیورسٹیوں میں عبرانی زبان پڑھائی جانے لگی، بورقیبہ نے اسلام پسندوں کی پکڑ دھکڑ کر کے انہیں عبرتناک سزائیں دیکر اسلام سے جنگ چھیڑ دی خصوصاً اسلامی تحریک کے افراد ہر موقع پر ٹارچر کرتا رہا، حجاب پر پابندی لگادی اور اسے گروہی لباس قرار دیا یہاں تک کہ وہ عورتیں جو حجاب میں ہوتی تھیں ان کے بدن سے خود اپنے ہاتھ سے حجاب اتار دیتا تھا، اور اس نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور اپنی

زندگی تیونس کی اسلامی شناخت کے خاتمہ کے لئے وقف کردی، اللہ تعالیٰ اس کے رسول کے خلاف بغاوت کی اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کا شریک وساجھی ہونے کا علی الاعلان اظہار کردیا، اور قرآن کریم کو تضادات کا مجموعہ قرار دیا اور احکام الٰہی کی جگہ دیگر ایسے قوانین کا اجراء کیا جو اسلامی قوانین سے کوئی میل نہیں کھاتے تھے۔

اسلامی قانون کی تبدیلی

(۱) بورقیبہ نے ایسا قانون بنایا جس سے لے پالک بنانے کی اجازت ملتی تھی، اور ایک دوسرا قانون یہ تھا کہ شوہر تین طلاق یافتہ بیوی سے جبکہ وہ دوسرے شوہر سے بھی مطلقہ ہوچکی ہو دوبارہ شادی نہیں کرسکتا اور نہ شوہر بغیر دارالقضاء کی اجازت کے اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا تھا۔

(۲) عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے اسقاط حمل کی اجازت دی گئی، بورقیبہ نے ۱۰؍دسمبر ۱۹۶۲ء کے نیویورک معاہدہ کے مطابق عورت کو یہ حق دیا کہ مذہب کا خیال کئے بغیر جس مرد سے چاہے شادی کرلے چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق مسلمان خاتون کو اس بات کا حق حاصل ہوگیا کہ وہ کسی غیر مسلم سے شادی کرلے۔

(۳) رمضان کا روزہ پوری تیونسی عوام کے لئے حرام قرار دیا گیا اس کی دلیل یہ دی گئی کہ روزہ رکھنے سے کام کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور تیونس کی ترقی خطرہ میں پڑجاتی ہے۔

ان تمام قوانین کو تیونسی عوام نے یکسر مسترد کردیا اور انہیں قبول کرنے سے انکار کردیا اس کے ردعمل میں بورقیبہ نے اپنی عوام کے ساتھ وہ ظالمانہ برتاؤ روا رکھا جو ظالم فرانسیسی سامراج نے سوچا بھی نہ ہوگا، اور سب سے برا معاملہ نمازیوں کے ساتھ کیا گیا کہ نماز کی پابندی قابل سزا

جرم قرار دی گئی نماز جمعہ وعصر کو ایک نماز کی شکل دے دی گئی، اتوار کو ہفتہ وار چھٹی ہونے لگی تمام مساجد کے لئے ایک ہی خطبہ لازم کر دیا گیا جو امن وسلامتی سے متعلق تھا، مسجدیں نماز کے اوقات میں صرف بیس منٹ کے لئے کھولی جاتی تھیں اس کے بعد بند کر دی جاتیں۔

حجاب جرم ہے

بورقیبہ نے ۱۹۸۱ء میں ایک قانون پاس کیا جس کے مطابق حجاب پہننے کو جرم سمجھا گیا اور حجاب پر پابندی لگا دی گئی، اور قانون کی دفعہ ۱۰۸ کو شائع کرا کے تمام مسجدوں میں خصوصاً ۱۹۷۰ء میں پیدا ہونے والی اسلامی بیداری کے بعد تقسیم کرایا گیا جس میں اس بات کی تاکید کی گئی تھی کہ حجاب کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اس سے ملک میں فرقہ وارانہ اتحاد پر ضرب پڑتی ہے اور فرقہ وارانہ منافرت کو شہہ ملتی ہے، جبکہ یہ حقیقت جگ ظاہر تھی کہ تیونس میں مسلمان ۹۸ فیصدی ہیں جس کی وجہ سے فرقہ وارانہ فسادات کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

بورقیبہ نے اپنے اس قانون کو نافذ کرنے کی خاطر حکومت کی پوری طاقت لگا دی اور نام نہاد امن کے پاسبان سڑکوں سے پردہ نشیں خواتین کو کھدیڑنے لگے اور پردہ نشین خواتین کو سرکاری عہدوں سے بھی محروم کر دیا گیا، اور ان پر سرکاری اسپتالوں میں بچہ جننے پر پابندی عائد کر دی گئی اور ۱۹۸۲ء میں حجاب پر پابندی کا ایک اور قانون پاس کیا جس کی وجہ سے بہت سی پردہ نشیں خواتین کو قید وبند کی صعوبتیں جھیلنی پڑی۔

بورقیبہ کی ظالمانہ کارروائیوں سے بہت سے لوگوں کے ہوش اڑ گئے اور ان کی نیند حرام ہوگئی کیونکہ اس نے باطل کو حق ٹھہرایا اور حق کو باطل گردانا، فساد وبگاڑ کی حوصلہ افزائی کی، ناجائز کو جائز قرار دیا، اور مرد کی عورتوں پر قوامیت کے قانون کو فسخ کر کے تیونس کے خاندانی نظام کو برباد کرنے کی کوشش کی۔

ایک اور قانون پاس کیا جس کے مطابق بچوں پر باپ کے کنٹرول کی حد بندی کی گئی اور عورتوں کے حق میں اسے شامل کیا گیا کہ عورت کی اخلاقی صورتحال سے صرف نظر کر کے اس کے تمامتر تقاضوں کو پورا کیا جائے، اور اگر کوئی شوہر کسی زانی کو اپنی بیوی کے ساتھ اندرون خانہ ملوث پائے اور وہ اسے قتل کر دے تو شوہر کو پھانسی کی سزا ہوگی۔

یقیناً ایسا شخص جو اپنی عوام کے ساتھ ایسا غیر منصفانہ برتاؤ کرتا ہے اسے سرکش و باغی سمجھا جائے گا، بورقیبہ تو ایسا باغی و سرکش تھا جو ذکر و درس کی مجلس پر پابندی لگا تا تھا اور رقص وسرور کی محفلوں کی کھلے عام اجازت دیتا تھا اور اس کے علاوہ دوسرے محرمات کی بھی کھلی چھوٹ دے رکھی تھی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ذرہ برابر خدا کا خوف ولحاظ نہ تھا، اس ناگفتہ بہ صورتحال پر اس کی موت واقع ہوگئی اس کے بعد ایک دوسرا سرکش اسکا جانشین ہوا جس کے بارے میں اہل تیونس کا گمان تھا کہ اس کے ذریعہ ظلم و بربریت اور غلامی کے طوق سے نجات حاصل کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا مگر وہ اپنے پیش رو سے بھی بڑھ کر ثابت ہوا۔

زین العابدین بن علی بحیثیت صدر مملکت

زین العابدین بن علی جو تیونس کے حفاظتی دستوں کا ایک اہم رکن سمجھا جاتا تھا نے ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور وہ اس منصب کا حقدار اس لئے بھی زیادہ تھا کہ وہ مرحوم صدر بورقیبہ کے جیتے جی بطور وزیر اعظم صدر کے تمام امور انجام دیتا تھا کیونکہ اس وقت بورقیبہ کو ایک طبی رپورٹ کی بناء پر صدارتی امور کی انجام دہی سے دور رکھا گیا تھا اس اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ عہدہ صدارت کے لئے زیادہ موزوں تھا۔

کھوکھلے وعدے

عام حکام کی طرح زین العابدین بن علی نے بھی بے بنیاد اور گمراہ کن وعدے کر کے

عوام کو دھوکہ دینے اور انہیں تاریکیوں میں رکھنے کی ایک مذموم کوشش کی، جتنے وعدے کئے ان میں سے ایک بھی عملی طور پر ظہور پذیر نہ ہوسکا، کچھ دنوں تک دستور میں تبدیلی، آزادی رائے کچھ سیاسی اصلاحات اور ملازمت دیئے جانے کا نعرہ لگاتا رہا مگر جلد ہی اس کا حقیقی چہرہ عوام کے سامنے آ گیا جو سابق صدر بورقیبہ جیسے گمراہ کن شخص سے ذرہ بھی مختلف نہ تھا، ایسا لگا کہ بورقیبہ جسمانی طور پر اس دنیا میں تونہیں رہا مگر اس کی سیاست ابھی بھی باقی ہے جو اپنے بال و پر پھیلائے ہوئے ہے، دونوں ہی ایک سکہ کے دورخ ثابت ہوئے، عملی طور پر زین العابدین نے بورقیبہ کی ستم رانی انتشار وفساد سے آراستہ سیاست کی رفتار کو انجام تک پہونچایا، زمانہ تک حکومت پر قابض رہا اور اپنی صدارتی مدت کو بڑھانے کی خاطر دستور میں ترمیم کرتا رہا اور اس کی پارٹی ہی کو تنہا اقتدار ملتا رہا، اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کھوکھلی جمہوریت کی دہائی دیتا رہا جس کی وجہ سے ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۹ اور ۲۰۰۲ء میں بطور صدر منتخب ہوتا رہا اور عوام بیوقوف بنتی رہی۔ ۲۰۰۹ء میں بھی اس نے دستور میں ترمیم کی تاکہ ایک اور مدت صدارت اسے مل جائے مگر ۱۴رجنوری ۲۰۱۱ء کو نوجوانوں کے سفید انقلاب کے نتیجے میں اسے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا۔

زین العابدین کا دور حکومت تیونسی عوام کے لئے سب سے لمبا دور ثابت ہوا، پوری عوام اس حکومت سے ہمیشہ غیر مطمئن رہی، البتہ مشیت الٰہی کے نتیجہ میں اسلامی تحریکیں جن سے بورقیبہ اور زین العابدین دونوں ہی برسرپیکار رہے انہیں پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کے مواقع ملتے رہے۔

حرکۃ النہضۃ الإسلامیۃ

اس تحریک نے ۱۹۷۰ء میں جماعت اسلامی کے نام سے اپنا کام شروع کیا، اور فکری، تربیتی، تعلیمی اور سیکولرزم (جس کی بنیاد بورقیبہ نے تیونسی عوام کے دل میں ڈال دی تھی) کے

مقابلہ اسلامی قوانین کو اختیار کرنے پر پورا زور صرف کیا، یہ جماعت حرکۃ الاتجاہ الإسلامی کے نام سے اسلامی تحریک میں تبدیل ہوگئی، راشد غنوشی اس کے صدر قائد مقرر ہوئے، اور اس نے تحریک کے چند مقاصد متعین کئے: (١) سیکولرزم کا خاتمہ (٢) عربیت کا نفاذ (٣) شخصی حکومت کا خاتمہ۔

مذکورہ مقاصد کے پیش نظر پوری تحریک کا رخ فکری پہلوؤں سے ہٹ کر سیاسی پہلوؤں کی جانب ہوگیا، تحریک پر پابندی لگادی، ١٩٨١ء میں تحریک کے قائدین گرفتار کئے گئے اور انہیں جیلوں میں بند کردیا گیا۔

٦٠ کے دہے میں تحریک اسلامی کو سخت ترین آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا، حتی کہ جو کوئی یہ نعرہ لگاتا کہ ''اسلام ہی مختلف میدانوں میں امت کو درپیش مسائل کا حل ہے'' تو اسے جلاوطنی کی سزادی جاتی۔ مختصر یہ کہ ظلم وزیادتی اور گردن زنی ہی زین العابدین کے نزدیک اسلام کے خاتمہ کا ذریعہ تھا۔

بن علی نے تحریک کے افراد کو بالجبر میدان سے باہر کرنے کی کوشش کی، سینکڑوں لوگوں کو چودہ سالوں تک قید کا فیصلہ کیا اور سیکڑوں لوگوں کو جلاوطنی کی سزادی، اور ہر وہ ایسی تحریک یا تنظیم چاہے سیاسی ہو یا فکری اگر وہ اسلامی دھارے سے قریب ہے تو اس پر قانونی طور پر پابندی لگادی گئی، صادق شورو جو تحریک نہضہ کے صدر کو ١٧ر فروری ١٩٩١ء میں قید کرکے اس پر ١٩٩٢ء میں فوجی عدالتی کارروائی کے ذریعہ اسے سزائے موت دیئے جانے کا فیصلہ کیا لیکن آئینی دباؤ کی وجہ سے صرف عمر قید کی سزا پر اکتفا کیا، چنانچہ شورو کا یہ جملہ بڑا ہی مشہور ہوا جو اس نے عدالت میں جج کے سامنے کہا تھا:

''یا سيادة القاضي إذا كنتم بعملكم هذا تريدون اجتثاث حركة النهضة من مجتمعها ومن التربة التي أنبتتها فهي شجرة أصلها ثابت وفرعها في

السماء''۔

فاضل جج صاحب آپ اپنی اس کاروائی کے ذریعہ یہ چاہتے ہیں کہ تحریک نہضہ کو اس کے زیر اثر معاشرہ سے اور اس سرزمین سے جس نے اس کو وجود بخشا ہے اکھاڑ پھینکا جائے تو سن لیجئے کہ یہ تحریک دراصل ایک درخت ہے جس کی جڑیں گہری ہیں اور اس کی شاخیں آسمانوں میں ہے۔

طاغوتی طاقتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عوامی بیداری

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثہ کے بعد ملک میں پہلے کے مقابلہ میں مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ ہوا اور تیونس کی پوری کیفیت بدلتی نظر آئی، TV چینلوں کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ پر چند اسلامی سائٹس بھی کھولی گئیں، یونیورسٹیوں اور دیگر تمام تعلیمی مراکز میں حجاب کا رواج عام ہوتا گیا۔

مگر اس تبدیلی پر حکومت وسعت قلبی کا مظاہرہ نہ کرسکی اس نے نوجوان لڑکیوں سے حجاب بالجبر اتروانے کا قانون جاری کردیا جس کی وجہ سے پورے ملک میں مظاہرہ واحتجاج کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا، اور ۲۰۰۳ء میں المجلس الوطنی للحریات '' قومی کونسل برائے آزادی وطن'' نے اپنا بیان جاری کیا جس میں حجاب مخالف لوگوں کو زبردست انتباہ دیا اور انہیں ان کے برے انجام سے باخبر کرایا۔

زین العابدین نے اسلام اور مسلمانوں سے جنگ مول لی، سیکولرزم کی علمبردار تیونسی جمعیت کا قیام بھی انہی پالیسیوں کا ایک حصہ ہے جس کے تحت اس نے حجاب کے خاتمہ کی خاطر کہ وہ دقیانوسیت اور بنیاد پرستی کی علامت ہے کئی کانفرنسیں منعقد کیں، وہاں کی مذہبی امور کی وزارت نے بھی اس بات کا اعلان کیا کہ حجاب تمام اداروں میں ممنوع ہے اور متعدد یونیورسٹیز کی انتظامیہ نے بھی زیر تعلیم طالبات سے اس معاہدہ پر زبردستی دستخط لینے کی کوشش کی کہ وہ کبھی یونیورسٹی کے

حدود میں حجاب نہیں پہنیں گی، تمام اسلامی سائٹوں پر پابندی لگا دی گئی، اور تمام نمازیوں کے لئے خاص کارڈ جاری کئے گئے جس کے بغیر کوئی شخص نماز پڑھنے کا مجاز نہ ہوتا اور جسے مسجد میں داخل ہوتے وقت دکھانا لازمی ہوتا، اور قیامگاہ سے دور کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہ تھی۔

فساد و بحران

اس طرح کی چیرہ دستی ظلم و ستم رانی، اور زور و زبردستی کی وجہ سے پورے تیونس کو زبردست اخلاقی بحران اور بے حیائی کا سامنا کرنا پڑا، ناجائز تعلقات کا تناسب بیویوں میں ۱۸ ر فی صدی اور شوہروں میں ۶۰ فیصد ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا اس ظالم سرکش حکمراں کے خلاف بغاوت کالا وا پھوٹ پڑا اور اسے ۱۴ ر جنوری ۲۰۱۱ء کو اقتدار سے بے دخل کر دیا گیا۔

بغاوت کی علامتیں

جب سے زین العابدین نے زمام حکومت سنبھالا خصوصاً ۲۰۰۰ سے ۲۰۱۰ء تک کا پورا دور تیونسی عوام پر ظلم و زیادتی سے عبارت ہے، کیونکہ باوجود متعدد پارٹیوں کے صرف ایک ہی پارٹی ملکی حکومت کے اقتدار پر براجمان رہی، افواہوں کا بازار ہمیشہ گرم کرتی رہی اور اپنے مخالف کسی بھی رائے اور آواز کو مسترد کرتی رہی، اور خصوصاً اسلامی نظریہ کی نہ صرف مخالفت کرتی بلکہ اس کے حاملین کو قید کرا کے جیل بھیج دیتی تھی، جس کی وجہ سے لازمی طور پر حکومت مخالف تحریکیں احتجاج و مظاہرہ کر کے اپنے غصہ کا اظہار کرنے پر مجبور ہوئی اور النھضۃ الإسلامیہ کے قائد راشد الغنوشی نے ۲۰۰۸ء میں صدر مملکت کو یہ کہتے ہوئے متنبہ کیا کہ ’’بغیر کسی تبدیلی کے پرانے سیاسی نظام پر کاربند رہتے ہوئے اقتدار پر قابض رہنے کی ضد بسا اوقات پورے ملک کو انتشار و تشدد کی آگ میں ڈھکیل سکتی ہے‘‘۔ لیکن زین العابدین نے نہ کسی بات پر توجہ دی اور نہ مسلم علماء کرام

کے انتباہی بیانات کا کوئی اثر قبول کیا اور نہ مسلمان علماء کی عالمی یونین کے صدر علامہ یوسف القرضاوی کی کسی بات کو لائق توجہ گردانا بلکہ اپنی طاقتور فوج اور حفاظتی دستہ جس کے زیر اثر تیونس کا تمام معاشرہ اور پورے ادارے تھے کے زعم میں اپنی پرانی روش پر قائم رہا اور ۲۰۰۹ء میں ملک کے جنوبی حصہ میں واقع بڑی بڑی کمپنیوں میں نوجوانوں کو ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے اور دوسرے وہ حضرات جو اثر ورسوخ والے تھے انہیں ترجیح دینے کی وجہ سے اس طرح کی ظالمانہ کاروائیوں کے خلاف عوام کا غصہ احتجاج، مظاہروں اور مہینوں ہڑتال کی شکل میں سامنے آیا جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اپنی جان بھی گنوانی پڑی۔

مگر ان تمامتر کاروائیوں سے اور سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے ملک پر مرتب ہونے والے برے اثرات سے زین العابدین صرف نظر کرتا رہا اور اپنا ایک رٹے رٹائے یا گھسے پٹے جملے سن کر عوام تھک چکے تھے اور جسے دوبارہ سننے کے روادار نہ تھے دہراتا رہا کہ "ان سب چیزوں سے ملک کو زبردست معاشی خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے ملک پر ۱۸ ملین امریکی ڈالر کا قرض بڑھ گیا ہے"۔ اور امریکہ کی خفیہ تحقیقاتی ایجنسی نے اپنی ویکلیکس سائٹ پر بھی اس کا خلاصہ کیا تھا کہ تیونس میں روز افزوں رشوت ستانی، سیاسی عدم استحکام، فساد وبگاڑ، دلالی، جیسی برائیوں کی جڑ زین العابدین کا سبب وہ سیاسی نظام ہے جسے اس نے اپنے ملک پر اپنے دلالوں کے ذریعہ نافذ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے اسے سیاسی مافیا کا نام دیا جاسکتا ہے۔

عمومی بغاوت

نام نہاد تیونسی جمہوریت کے زمانہ میں اپنی نوعیت کا ایسا منفرد واقعہ ظہور میں آیا جس نے ملک کے پورے نظام کو پلٹ کر رکھ دیا۔ ایسا واقعہ جس نے پوری دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ عرب قوم میں وہ طاقت ہے جس کی بناء بر وہ اپنے رُخ کو تبدیل کر سکتی ہے اور عرصہ دراز کی

ظالم وجابر حکومت سے خلاصی حاصل کر سکتی ہے، وہ واقعہ ایسی بغاوت کی شکل میں وجود میں آیا جس نے زین العابدین جیسے سرکش حکمراں کے پایہ تخت کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ عرش سے فرش پر اوندھے منہ گرنے پر مجبور ہو گیا۔

تیونس میں انقلاب کا آغاز یوں ہوا کہ ایک سولہ سال کا نوجوان لڑکا جس کا نام محمد بو عزیزی تھا ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۰ء کو جمعہ کے دن صبح کے وقت سیدی بوزید نامی مقام جو تیونسی دارالحکومت کے مغربی جنوب میں واقع ہے ایک پولیس کے اعلیٰ افسر سے ایک دوسرے پولیس اہل کار کی جس نے اسے سرعام تھپڑ مارا تھا کی شکایت کرنے کی غرض سے گیا جبکہ اس کے پاس ٹھیلہ پر سبزی اور دوسرے پھل، بیچنے کی اجازت کارپوریشن کی جانب سے ملی ہوئی تھی، اور ایک یونیورسٹی کا سند یافتہ بھی تھا مگر ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے مذکورہ روزگار سے جڑا ہوا تھا، پولیس کے اس اعلیٰ افسر نے اس نوجوان سے ملاقات نہیں کی اور اس کی درخواست ملاقات رد کردی کیونکہ وہ اس ملک کا ایک معمولی سا آدمی تھا جس کی ملک میں کوئی پوزیشن نہ تھی۔ اور نہ وہ بڑے خاندان سے تعلق رکھتا تھا، بوعزیزی اپنی یہ توہین اور یہ ظلم برداشت نہ کر سکا وہ خودکشی پر آمادہ ہو گیا اور بالآخر اپنے بدن میں آگ لگا کر اپنی جان کھو دی اسی وقت تقریباً مردہ حالت میں اس نوجوان کو ہسپتال لے جایا گیا جہاں اسے ڈاکٹروں نے مردہ قرار دیا، اسی وقت تیونسی عوام نے اس ظلم وزیادتی سے نجات حاصل کرنے کی ٹھان لی جس نے ایک نوجوان کو عین جوانی کے عالم میں خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا، اس کے سارے ساتھی مقام سیدی بوزید میں اپنے حقوق اور اپنے مرحوم دوست کے حقوق کی بازیابی کے لئے جمع ہو گئے اور دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھیوں کے ساتھ حقوق کی لڑائی میں کندھے سے کندھا ملا کر شامل ہو گئے۔

دوسری طرف حفاظتی عملہ نے بھیڑ کو منتشر کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ان کی کوشش رائیگاں ثابت ہوئیں روز بروز بھیڑ بڑھتی گئی اور عوام اور حفاظتی عملہ کے درمیان ٹکراؤ بڑھتا گیا جس

کی وجہ سے بعض عمارتیں اور ادارے اور گاڑیاں نذر آتش ہوگئیں اور دسیوں نوجوانوں کو قید کرلیا گیا، اس کے بعد بن علی نے پولیس کو متشددانہ کاروائی کرنے کا حکم جاری کیا پولس والے کی رحم وکرم کی پرواہ کئے بغیر نوجوانوں پر گولیاں برسانے لگے اور پورے شہر کی ناکہ بندی کرنے لگے اس گمان میں کہ اس سے احتجاج ومظاہرہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، مگر احتجاج نے اور شدت اختیار کرلی اور تیونس کے بقیہ شہروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا وہاں بھی پولیس کی گولیوں کی پرواہ کئے بغیر احتجاجی کاروائی شروع ہوگئی، نتیجہ دسیوں لوگ جاں بحق ہوگئے، ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۰ء کو مجبوراً بن علی کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ دستور میں کچھ نئی ترمیمات کی جائیں گی اور پانچ وزارتوں کو تبدیل کیا جائے گا، اور ملازمت کے واسطے نئے پروگرام بنائے جائیں گے اور سند یافتگان کو کام کے مواقع دیئے جائیں گے، لیکن عوام کسی طرح سے ماننے کے لئے آمادہ نہ ہوئی اور بغاوت کی لے تیز سے تیز تر ہوتی گئی خصوصاً ۴ر جنوری ۲۰۱۱ء کو بوعزیزی کی وفات کے بعد بغاوت کی آگ مزید بھڑکتی چلی گئی اور زین العابدین کو دوسری مرتبہ عوام کو خطاب کرنے پر مجبور ہونا پڑا جس میں اس نے خارجی عناصر کو عوامی احتجاج کا ذمہ دار ٹھہرایا اور ان پر یہ الزام عائد کیا کہ انہی کی وجہ سے ان حضرات کو یہ قوت ملی ہے۔ اس کے بعد بھی حفاظتی عملہ نے مظاہرین کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا مگر پھر بھی احتجاج ختم نہ ہوا تو ۱۱ر جنوری ۲۰۱۱ء کو حکومت کے ترجمان نے نظام زندگی کی بحالی کی خاطر نئی تدابیر اختیار کئے جانے کا اعلان کیا، چنانچہ بن علی نے وزیر داخلہ پر نوجوانوں پر گولی چلائے جانے کی ذمہ داری ڈال کر اس کے عہدہ سے اسے برخاست کردیا، اور جنرل رشید کو جو بری فوج کا سربراہ تھا اس جرم میں برخاست کردیا کہ اس نے فوج کو باغی عوام کے خلاف طاقت کا استعمال کرنے کا حکم نہیں دیا۔

۱۳ر جنوری ۲۰۱۱ء کو زین العابدین نے ٹیلی ویزن پر آخری مرتبہ عوام کو خطاب کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ آئندہ انتخابات میں وہ امیدوار نہیں ہوگا اور غذائی اشیاء کی بڑھتی قیمتوں کی ذمہ دار حکومت وقت ہے، اور خیر میں یہ تک کہہ گیا کہ میں نے عوام کے سارے مطالبات تسلیم

کر لیے ہیں اور جو کچھ ہوا اس پر مجھے سخت تکلیف ہے۔

زین العابدین نے راہ فرار اختیار کی

۲۴ر جنوری ۲۰۱۱ء جمعہ کے دن کا سورج جب طلوع ہوا تو وہ اپنے تیونس اور عالم عرب کے دوسرے خطوں کے واسطے ڈھیر ساری خوشیاں لے کر آیا جب عوام کو معلوم ہوا کہ بن علی نے حکومت کی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور عارضی طور پر حکومت کی ذمہ داری محمد غنوشی کے سپرد کر کے راہ فرار اختیار کر لی ہے، پہلے بن علی نے فرانس کا رخ کیا جہاں سے مایوسی ہاتھ آئی اور اس کا کسی طرح استقبال نہیں کیا گیا پھر اس نے مالٹا کا رخ کیا وہاں بھی اس کے ساتھ وہی معاملہ روا رکھا گیا اخیر میں سعودی عرب میں اسے پناہ ملی۔

تیونسی عوام کی اس کوشش کی اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی کامیابی کی عالمی پیمانے پر پذیرائی کی گئی، اقوام متحدہ، فرانس، برطانیہ ہر جگہ اس کارنامہ کو سراہا گیا اور تیونسی عوام کی ہمت کی داد دی گئی، عرب ممالک میں قطر، لیبیا، مصر، اردن ہر ایک نے اس کامیابی کا استقبال کیا۔

دوسری عرب قوم نے تیونسی عوام کی روش پر چلتے ہوئے جن میں مصر پیش پیش تھا اپنے ملکوں میں اسی طرح کا انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی تا کہ ظلم واستبداد کا خاتمہ ہوجائے اور امن وامان بحال ہوجائے، اس سلسلہ میں علامہ یوسف القرضاوی کا وہ جملہ جو انہوں نے ظلم وبربریت کی علامت زین العابدین کے خاتمہ کے بعد فرمایا قابل ذکر ہے " **بعد إن سقط الصنم الاكبر هبل، يجب أن تسقط بقية الاصنام المحيطة به من اللات والعزى، وبقية الخدام اللذين ينتمون للنظام اللذى عانى منه التونسيون لسنوات طويلة**" (بڑے صنم ہبل کے سقوط کے بعد لات وعزی سے گھیرے تمام اصنام کا سقوط بھی ضروری ہے اور ان خدام کو بھی انجام تک پہونچانا ضروری ہے جو اس ظالمانہ نظام کے پیروکار ہیں جس سے